R. No. 2106/67
Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۳

سال ۳ن - ۹۰
قیمت فی پرچہ ...
فی پرچہ ... پیسے

جلد ۲۴ - شمارہ ۱۸ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ - مئی ۱۹۶۵ء

ادارِیہ

دفعہ ۳۴۷ کے مطابق کارروائی

اور ریاستوں کے سرکاری زبان ایکٹ میں ترمیم ضروری ہے

خوشی کی بات ہے کہ دہلی میں آل پارٹیز اردو علاقائی و ثانوی سرکاری زبان کمیٹی کی طرف سے جو کنونشن ہوا اس کو تمام سیکولر پارٹیوں کی تائید حاصل تھی جو لوگ اردو کے مطالبات کے سلسلے میں مختلف مقامات پر کنونشن یا کانفرنس کرتے ہیں انھیں یہ نکتہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اردو کا مطالبہ اسی وقت تسلیم کیا جائے گا جب مختلف سیکولر پارٹیاں، قومی کارکن اور دوسری زبانوں کے ادیب بھی اس کی حمایت کریں گے گویا مطالبہ کے قومی پہلو کو اکثریت پر اچھی طرح واضح کر سکیں گے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ کنونشن صرف چند تقریروں اور چند قراردادوں تک محدود نہ رہیں بلکہ ان کے مطالبات کو منوانے کے لیے جد و جہد جاری رہے۔

اس سلسلے میں ہمیں اس پہلو کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ کچھ پلیٹ فارم پر آکر اردو سے اپنی ہمدردی کا ثبوت دے دیتے ہیں لیکن اپنی اپنی سیاسی جماعتوں کو اس بات پر آمادہ نہیں کر پاتے کہ وہ اردو کی حمایت کے لیے مجالس قانون ساز اور پارلیمنٹ میں ضروری کارروائی کریں۔ پارلیمنٹ کے ایک سو چار ممبروں نے جو یادداشت وزیر اعظم کی خدمت میں بھیجی ہے اس کا ہمیں علم نہیں وزیر اعظم نے کیا جواب دیا۔ لیکن ضرورت ہے کہ پارلیمنٹ اور مجالس قانون ساز میں اردو کا حق منوانے کی کوشش کی جائے۔ اگر ذرا بھی سمجھ داری سے کام لیا جائے تو بعض ریاستوں میں سرکاری زبان ایکٹ میں معمولی ترمیم سے کام چل سکتا ہے۔ مثلاً اتر پردیش میں سرکاری زبان ہندی کو مانا گیا ہے اگر اس کے ساتھ اردو کو بھی سرکاری طور پر تسلیم کر لیا جائے تو ہندی کی پوزیشن پر کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن اردو کی پوزیشن کا تحفظ ہو جائے گا۔ آخر جب ایورسٹ کی چوٹی پر بھی ایک سے زیادہ آدمی کھڑے ہو سکتے ہیں، تو سرکاری طور پر ایک سے زیادہ زبانیں بھی ہو سکتی ہیں اسی لیے کنونشن کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ ریاستوں کے سرکاری زبان ایکٹ میں ترمیم کے لیے باقاعدہ تجاویز بھیجنی چاہئیں۔ دلی کا معاملہ تو سب سے آسان ہے یہاں تو وزارت داخلہ کا ایک اعلان ہی کافی ہے۔ لیکن اتر پردیش، بہار، پنجاب، مدھیہ پردیش، راجستھان، آندھرا پردیش میں اردو کے ان ہمدردوں کو جو ان ریاستوں کی ودھان سبھا کے ممبر ہیں جلد سے جلد ترمیم پیش کرنی چاہیے ایک اطلاع کے مطابق اتر پردیش کی ودھان سبھا اور ودھان پریشد کے دو سو ممبران چاہتے ہیں کہ ہندی کے علاوہ اردو میں بھی کاغذات مہیا کیے جائیں اور اردو میں بھی تقریر کی اجازت ہو۔ اس لیے اب اتر پردیش کی ودھان سبھا میں سرکاری زبان ایکٹ میں ترمیم کی تجویز جلد سے جلد پیش کرنی چاہیے۔

اس شمارے میں

اس وقت سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ عوام میں اردو کے متعلق جو بیداری پھیل رہی ہے، اس کو محض تقریروں میں ضایع نہ کیا جائے نہ اُسے کسی تخریبی کارروائی کی طرف مڑنے دیا جائے بلکہ مختلف سیاسی پارٹیوں کی مدد سے ریاستوں کے سرکاری زبان ایکٹ میں ترمیم کرائی جائے اور صدر جمہوریہ کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ دفعہ ۳۴۷ کے تحت اپنے اختیارات سے ضرور کام لیں۔ دستور سازوں نے یہ دفعہ یوں ہی نہیں رکھی تھی بلکہ اس کے پیچھے قومی یک جہتی کا جذبہ تھا تاکہ لسانی اقلیتیں بھی ملک کی ترقی میں برابر کا حصہ لے سکیں۔ اب اس دفعہ کے استعمال کے بغیر چارہ نہیں ہے۔

انجمن ترقی اردو مغربی بنگال کے زیر اہتمام
اردو ہفتہ

(اسٹاف رپورٹر) انجمن ترقی اردو مغربی بنگال کے زیر اہتمام جو "اردو ہفتہ" منایا جا رہا تھا، محمد علی پارک میں ۲ مئی کا جلسہ اس سلسلے کا اختتامی جلسہ تھا۔ اس جلسے کو خطاب کرنے کے لیے جو کلکتہ کارپوریشن کے نئے میئر ڈاکٹر پی کے رائے چودھری کی صدارت میں شروع ہوا دوسرے مقرروں کے علاوہ کئی ممبران پارلیمنٹ اور اسمبلی بھی موجود تھے۔

تمام مقرروں نے سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیا کہ اردو کا حق بھیک کے طور پر مانگنے سے کبھی نہیں ملے گا۔ اسے حاصل کرنے کے لیے تحریک شروع کرنا ہوگی اور جد و جہد کرنا پڑے گی۔ کامریڈ جوتی باسو مغربی بنگال اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر نے انجمن ترقی کو مشورہ دیا کہ وہ تمام اردو دوستوں کو اپنے ساتھ لیکر جن میں ہندو مسلمان سکھ سب شامل ہوں تحریک شروع کریں۔ کامریڈ اندرجیت گپتا ایم۔پی نے کہا کہ مادری زبان سے ہر آدمی محبت کرتا ہے جسے سمجھنے کے لیے مدراس میں زندہ جل مرنے کے واقعات کو سامنے رکھنا ہوگا۔ اگر اب بھی دلی میں بیٹھے ہوئے لیڈروں نے مادری زبان کی اہمیت کا اندازہ نہ لگایا تو ملک کا اتحاد خطرے میں پڑ جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ ہندی کے پریمی ہندی کے سوا تمام دوسری زبانوں کو ختم کردینے کے درپے ہیں۔

جلسے کے صدر میئر ڈاکٹر پی کے رائے چودھری نے اپنی مختصر تقریر میں اردو کی حمایت و تائید کرتے ہوئے کہا کہ اردو کو اس کا حق دینا ہی پڑے گا۔ پروفیسر ہیرن مکھرجی ایم۔پی، سید بدرالدجیٰ ایم۔پی، ڈاکٹر رانن سین ایم۔پی، شری تریدیب چودھری ایم۔پی، ڈاکٹر ایم او غنی ایم ایل اے اور سوشلسٹ یونٹی سنٹر کے صدر، شری سبودھ بنرجی نے بھی جلسے کو خطاب کرتے ہوئے اردو کی حمایت و تائید کی اور اس کے حقوق حاصل کرنے میں اپنی مدد اور تعاون کا یقین دلایا۔

متعدد تجاویز بھی پاس کی گئیں جن میں مغربی بنگال کے ان علاقوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی مناسب تعداد بتائی جاتی ہے، اردو کو بنگلہ کے ساتھ دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ دہرایا گیا۔ تعلیمی اداروں اور ریڈیو پر بھی اردو کو مناسب نمائندگی دینے اور انتظامات کرنے کا مطالبہ رکھا گیا۔

(اجالا ہفتہ وار)

جموں میں پوسٹ گریجویٹ شعبۂ اردو

پروفیسر عبدالقادر سروری صدر شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی کی اطلاع کے مطابق آیندہ سال سے جموں میں بھی یونیورسٹی کا پوسٹ گریجویٹ شعبہ اردو قائم ہو رہا ہے۔

(ادارہ)

انجمن تعمیر اردو دلی کی طرف سے شکیل بدایونی کا استقبال

۲۰ اپریل کو انجمن تعمیر اردو دلی میں اردو کے مشہور شاعر جناب شکیل بدایونی کا استقبال کیا گیا۔ شکیل بدایونی صاحب "جشن شکیل" کے سلسلے میں دلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ انجمن تعمیر اردو کے اس خاص جلسے میں تقریباً ۳۰۰ اہل قلم شریک تھے جلسے کی ابتدا عصرانہ سے ہوئی اور اس کے بعد شکیل صاحب کی شاعری اور شخصیت پر کچھ تقریریں ہوئیں مقررین میں گلزار دہلوی بھی شامل تھے۔ اس موقع پر شکیل صاحب نے انجمن تعمیر اردو کی سرگرمیوں کو سراہا اور گلزار دہلوی کی گرمجوشی اور لگن کی تعریف کی اور اپنے نظریۂ شعر کی وضاحت کی۔

(گلزار دہلوی جنرل سکریٹری)

نصابی کتابوں کی قومی کمیٹی

نئی دلی ۲۷ اپریل آج لوک سبھا میں شری ڈی۔ این تیواری اور چار دیگر ممبروں کے ایک سوال کے جواب میں مرکزی وزیر تعلیم شری ایم۔ سی چھاگلا نے بتایا کہ تعلیمی تحقیق و تربیت کی کونسل کے زیر نگرانی ایک مرکزی کمیٹی قائم کی گئی ہے جو اسکول کی تعلیم کے تمام مراحل کے لیے ماڈل نصابی کتابوں کو تیار کرتی ہے۔ ہندی اور حیاتیات (بایولوجی) کی نصابی کتابیں پہلے ہی تیار اور شائع کی جا چکی ہیں اور بقیہ مضامین کی نصابی کتابوں کے ۶۵-۶۶ء میں تیار ہونے کی توقع ہے۔

(قومی آواز)

"ہماری زبان"
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

نادم سیتاپوری

انتخاب

اختر شیرانی کی ادبی اور صحافتی زندگی کا آغاز اس صدی کی تیسری دہائی سے ہوا۔ بہارستان، انتخاب، رومان اور سہیلی کے علاوہ ایک ملنے میں شاید ہی کوئی ادبی رسالہ ایسا ہو جس میں ان کے مضامین اور نظمیں شایع نہ ہوتی ہوں۔

یقین کے ساتھ کچھ کہنا تو دشوار ہے لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں ماہنامہ بہارستان" (لاہور) پہلا ادبی ماہنامہ تھا جس سے ان کی صحافتی زندگی کا آغاز ہوا۔ "بہارستان" ۱۹۲۴ء میں لاہور سے جاری ہوا تھا مگر تجانے کیا ہوا کہ انھیں جلد ہی اس ماہنامے سے علیحدہ ہونا پڑا۔ لیکن اختر کی یہ علیحدگی بہت دنوں تک باقی نہ رہ سکی۔ ادبی حلقوں میں ان کی کمی شدت کے ساتھ محسوس کی گئی۔ کنھیا لال ثاقب نے لکھا:

(۱) "........کیا یہ سچ ہے کہ حضرت اختر شیرانی نے مستقل طور پر "سہیلی" کی رفاقت منظور فرمائی ہے اور اگر یہ واقعہ درست ہے تو کیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ صاحب موصوف ہمیشہ کے لیے "بہارستان" کی ادارت سے دستبردار ہو چکے۔ لیکن میری ناقص رائے میں تو ایسا کرنا ان کی شان کے شایان نہیں کیونکہ وہ پودا جسے انھوں نے خود اپنے ہاتھوں سے لگایا اور کل تک اس کی آبیاری میں ہمہ تن مصروف رہے آج یکایک اور بلا وجہ اس کی بیخ کنی کے درپے ہو گئے......."

(ص ۷۔ بہارستان لاہور اگست ۱۹۲۷ء جلد ۳ شمارہ ۸)

"بہارستان" میں جب یہ خط چھپا تو فضا بہت کچھ صاف ہو چکی تھی۔ اسی شمارے کے سرورق پر لکھا ہوا ہے۔

"زیر نگرانی ابو المعانی اختر شیرانی مدظلہٗ"

اور اگست ۱۹۲۷ء ہی کے اسی شمارے میں اختر کا ایک اعلان (بہارستان اور میں) بھی چھپا جس میں انھوں نے لکھا۔

"جیسا کہ ناظرین کو اخبارات کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہوگا یہ خاکسار بوجوہ چند "بہارستان" سے قطع تعلق کر چکا تھا مگر اس کے بعد ہی واقعات نے کچھ ایسا رنگ بدلا کہ جن زنجیروں سے اپنی دانست میں آزاد ہو چکا تھا۔ دیکھا تو پھر انہی میں مقید تھا۔

شکست رنگ شباب ہنوز رعنائی
دراں دیار کہ زادی ہنوز آنجائی

یہ ایک دوست کا اصرار تھا جن کے جذبات خلوص میری ہرزہ سرائیوں کو آوارہ غربت نہ دیکھ سکے اور مجھے مجبوراً ان کی پاس خاطر سے دوبارہ اسی مجلس رنداں میں شریک ہونا پڑا۔ مگر اس شرط سے کہ اب "مسئولیت" کا دم چھلا میرا پیچھا چھوڑ دے گا اور برائے نام "نگرانی" کی خدمات میرے سپرد ہوں گی۔"

(ص ۴۔ بہارستان لاہور اگست ۱۹۲۷ء)

ماہنامہ "انتخاب" (لاہور) اختر شیرانی کی زیر ادارت اسی زمانے میں نکلا تھا جب وہ "بہارستان" سے کچھ دور ہو گئے تھے اس کا صرف ایک ہی شمارہ میرے پیش نظر ہے وہ بھی پہلا نمبر۔ جو اکتوبر ۱۹۲۵ء میں "رو ڈری پرنٹنگ ورکس لاہور" میں ۹۶ صفحات کی ضخامت پر چھپا تھا۔ سائز وہی "بہارستان" اور رومان جیسا ہے سرورق پر ایک عورت کی تصویر ہے جو سبز رنگ کی ساری پہنے ہوئے ہے اور ساری کا "پلو" ہوا میں لہرا رہا ہے جس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

باغ ادب میں جو گل معنی کھلا کبھی
دامن میں رکھ لیا نظر انتخاب نے

سرورق پر بحیثیت مدیر "ابو المعانی اختر شیرانی الافغانی" درج ہے "انتخاب" کے مالک "رشید سیالکوٹی" تھے اور سید عابد علی شاہ پبلشر۔ رو ڈری پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپتا تھا۔ دفتر "منٹگمری (لاہور)" کے علاقے میں تھا۔ "انتخاب" کے وابستگان کی فہرست بہت طویل ہے۔

(۱) سرپرست۔ نواب سر ذوالفقار علی خاں (ممبر کونسل آف اسٹیٹ)

(۲) ڈائرکٹرز آف پالسی
ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین (بیرسٹر) ۔ شیخ ...... وکیل

(۳) مدیران اعزازی
خلیل دہلوی۔ شاہ دلگیر اکبر آبادی۔ پروفیسر شیخ غلام محی الدین۔ ارشاد علی ارشد دہلوی

(۴) مدیر۔ اختر شیرانی

(۵) معاونین۔
رفیعی اجمیری۔ سیفی سواروی۔ نظیر لدھیانوی۔ روشن لال نیر بنگالی۔

(۶) ڈائرکٹرز آف ڈیزائن
عبدالعزیز آرٹسٹ (ریاست میسور) پروفیسر لال فیروز الدین

سالانہ چندہ درج نہیں ہے۔ ابتدائی صفحات میں ایک انعامی اعلان ضرور ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) "ناکامیابی۔ کامیابی کا ذریعہ کس طرح بنتی ہے۔؟"
اس پر افسانہ لکھنے والے کو تیس روپیہ انعام

(۲) پندرہ۔ دس اور پانچ روپیہ کے تین انعامات!
ان لوگوں کے لیے جو انتخاب کے اس شمارے میں سب سے اچھے مضمون کے متعلق اظہار رائے کریں۔

(۳) بیس روپے۔ اور ایک جلد مضامین "شرر"
جو انتخاب کے تین شماروں کے سب سے بہتر مضامین پر اظہار خیال کریں۔

(۴) سو روپیہ
جو سال بھر کے اندر "انتخاب" کے لیے سو خریدار فراہم کردیں گے۔ دس خریدار مہیا کرنے والے کے نام چھ مہینے تک "انتخاب" بھیجا جائے گا۔

(۵) دس روپیہ۔
"انتخاب" میں رکھی ہوئی "خوش نصیبی" کی چٹ جس کے یہاں نکلے گی اسے دس روپیہ انعام دیا جائے گا۔

"انتخاب" شاید اس صدی کے اردو رسائل میں پہلا رسالہ تھا جس میں زیادہ تر انتخابی مضامین دوسرے رسالوں اور کتابوں سے نقل کیے جاتے تھے۔ ویسے اخبارات میں مولوی محبوب عالم کے "انتخاب لاجواب" کو یہ خصوصیت تو حاصل ہی تھی۔

اکتوبر ۱۹۲۵ء (جلد ۱ شمارہ ۱) کی فہرست مضامین درج ذیل ہے۔

۱۔ اشارات - ایڈیٹر ۲۔ شذرات - ایڈیٹر
۳۔ آغاز " ۴۔ انجام ہستی - "
۵۔ زمانے کا تھپیڑ۔ عبدالحلیم شرر ۶۔ رشحات ریاض۔ ریاض خیرآبادی
۷۔ تخییل - خلیق دہلوی ۸۔ وطن کا راگ۔ افسر میرٹھی
۹۔ آمد شباب - جوش ملیح آبادی ۱۰۔ غالب کی خدمت میں۔ صفیر بلگرامی
۱۱۔ غزلیں۔ نواب یوسف علیخاں ۱۲۔ سرشار خواب۔ تاجور نجیب آبادی
۱۳۔ آرزوئے تنہا۔ مہدی الافادی ۱۴۔ آثار قدیمہ ....
۱۵۔ منزل مقصود۔ پریم چند ۱۶۔ نفثۃ المصدر - ایڈیٹر
۱۷۔ جنگ کیسے میں بھگوان۔ حسن نظامی ۱۸۔ آہ دستگیر۔ شاہ دستگیر اکبرآبادی
۱۹۔ گرگٹ۔ سید بشیر احمد ۲۰۔ تجاہل عامیانہ۔ ملا علی آفاقی
۲۱۔ جہاز پر۔ قاضی عبدالغفار ۲۲۔ گلکدہ۔ ایڈیٹر
۲۳۔ تیسری۔ سید سجاد حیدر یلدرم ۲۴۔ ایک بلبل کی آخری آواز } صاحبزادہ احمد سعید خاں شوق
۲۵۔ دستہ گل .... ۲۶۔ نگاہ ناز۔ نظیر لدھیانوی
۲۷۔ حدیث دیگراں۔ روشن لال نیر بنگالی ۲۸۔ تلمیحات۔ ایڈیٹر
۲۹۔ معلومات۔ عبدالاحد خاں خلیل ۳۰۔ مدح انتخاب۔ نظیر لدھیانوی
۳۱۔ مشاہیر - ایڈیٹر ۳۲۔ مرقع عالم - ایڈیٹر
۳۳۔ تبصرے " ۳۴۔ اشتہارات ولطائف....

تصویر صرف ایک ہی ہے شیخ عبدالقادر مرحوم کی ــ جو اس زمانے میں صوبہ پنجاب کے وزیر تعلیم بھی تھے "مشاہیر" کے تحت ایک صفحہ پر ان کے اوصاف اور خصوصیات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس مضمون کی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

"ملک کا کوئی بہترین نقاد اور تذکرہ نویس شاید اب تک اس کا صحیح اندازہ نہیں کرسکا کہ (ڈاکٹر) اقبال، اعجاز، نیرنگ، ظفر علی، اور ایسے ہی بعض دوسرے افراد کو اس بلند ادبی شہ نشین پر پہنچانے میں جہاں آج وہ نظر آرہے ہیں شیخ صاحب قبلہ (سر عبدالقادر) کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کو کس حد تک دخل ہے۔"

(۲) جیسا کہ فہرست مضامین سے ظاہر ہے زیادہ تر مضامین دوسرے رسائل یا کتب قدیم سے ماخوذ ہیں پھر بھی ایک آدھ مضمون ایسا بھی ہے جو خاص "انتخاب" ہی کے لیے لکھوایا گیا ہے مولانا عبدالحلیم شرر کا مضمون (زمانہ کا تھپیڑ) اگرچہ "دلگداز" سے نقل کیا گیا ہے لیکن اس کی اہمیت ان الفاظ سے ظاہر ہے۔

"مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی (مدظلہ العالی) کا نام نامی کسی مزید تعارف کا محتاج نہیں۔ اردو زبان پر آپ کے اس قدر احسان ہیں کہ ہمیں ایک مدت صرف یہ سوچنے کے لیے چاہیے کہ ان کے اعتراف کا بہترین طریقہ کیا ہوسکتا ہے...... "انتخاب" کے لیے یہ فخر کافی ہے کہ اس کی پہلی ارتقائی اشاعت کا پہلا مضمون مولانا کے گل ریز قلم کا نتیجہ ہے۔"

شذرات کے تحت اس دور کے ایک عظیم ادبی ادارے کے ایک خاص اجتماع کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

"انجمن ارباب علم (پنجاب) جس کے جنرل سکریٹری بلیغ الملک علامہ تاجور نجیب آبادی اور لائف پریزیڈنٹ آنریبل خان بہادر شیخ عبدالقادر بی۔ اے بار ایٹ لا وزیر تعلیم پنجاب ہیں۔ گذشتہ نو سال سے پنجاب میں اردو زبان کی اصلاح و ترقی کے ضروری اور شاندار فرائض انجام دے رہی ہے۔ دو تین ماہ ادھر سے اس نے اپنی علمی وادبی مساعی کی رفتار کو تیز تر کردیا ہے چنانچہ جدید انتظام اور شعبہ نشر کے علاوہ پنجاب کے بعض شہروں میں اس کی شاخیں بھی قائم ہوچکی ہیں (بقیہ صفحہ ۹ پر)

لاچاری

عتیق تابش

تیرہ و تار چاندنی کا جلوس
ظلمتِ دلخراش و لامحدود
دور تک اک مہیب سناٹا
فہم و ادراک جامد و مفلوج
کوئی ہنگامہ ہے نہ کوئی خروش
کوئی قندیل۔ ہے نہ کوئی چراغ
اک بھیانک سکوتِ شہرِ خموش
غم گزیدہ فضائے گام بہ گام
تا نظر ایک جالِ جبرِ ماحول
لاکھ سنگِ گراں سہی لیکن
میری تنہائیوں پہ ماتم کیا
آؤ آؤ مرے قریب آ آؤ
آج کی رات وہ نہ آئیں گے
میں بھی سوتا ہوں تم بھی سو جاؤ

گریز کے بعد

غنی صدیقی

بانس کی پتیوں پہ وہ پیلی اکیلی کرن
تلملاتی ہوئی ٹوٹتی جا رہی ہے
رات پیلیں کا ڈستی آ رہی ہے
تم یہاں آگئے ہو کیوں ؟
یہاں کچھ بھی ہے کیا !
خشک پتوں پہ اُجلی شکن کے سوا
اور دلوں میں گزشتہ شبِ روز کی اک تیکھی چبھن کے سوا

قطعات

شمشاد حسرت مالیرکوٹلوی

رند شغلِ شراب کرتے ہیں ۔ زیست اپنی خراب کرتے ہیں
شیخ تسبیح پر جوانی کی ۔ لغزشوں کا حساب کرتے ہیں

کوئی اللہ کا نام لیتا ہے ۔ کوئی بوجھا سے کام لیتا ہے
رندِ سرمست کا یہ مسلک ہے ۔ دستِ ساقی سے جام لیتا ہے

بات مجھ سے نظر ملا کے کریں ۔ غیریت کے حجاب اٹھا کے کریں
حشر تک انتظار کر لوں گا ۔ آپ وعدہ تو مسکرا کے کریں

اردو زبان میں بڑی وسعت ہے

پروفیسر آل احمد سرور کی تقریر

بھوپال — ۲۰ اپریل " قیادت کرنے والوں کا رول وہی ہوتا ہے جو بزرگ خاندان کا ہوتا ہے۔ یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے یہ ٹھیک ہے کہ ہم لوگ ادب کے شیدائی ہیں۔ ہمارا کاروبار شوق خدا کرے چلتا رہے۔ لیکن ہمیں یہ بھولنا چاہیے کہ جاگیرداری کا نظام ختم ہو چکا ہے۔ لیکن مزاج باقی ہے۔ اس دور کا مقدر انڈسٹری ہے۔ ہمیں بھی سائنس اور ٹیکنالوجی کا مزاج اپنانا ہوگا۔"

" ہماری اردو اب اردو سے متعلق نہ ہوگی "

یہ الفاظ اردو کے مشہور نقاد اور کل ہند انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری پروفیسر آل احمد سرور نے یہاں کی معتبر ادبی انجمن " حلقہ ارباب ادب " کے ایک خصوصی اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے کہے۔ اس جلسہ کی صدارت اردو افسانہ نگار کوثر چاند پوری کر رہے تھے۔

پروفیسر سرور نے ہر اس انسان کی کوششوں کو قابلِ قدر قرار دیا جو کسی نہ کسی نہج سے اردو کے لیے کام کر رہا ہے انھوں نے کہا کہ لوگوں کی نیت پر شبہ کرنا چھوڑ دیجئے۔ یہ خیال سراسر غلط ہے کہ ایک زبان کی ترقی دوسری زبان کی ترقی کو نقصان پہنچاتی ہے ہر زبان اپنے بل پر زندہ رہتی ہے اردو کو جو ترقی ملی اس کا کریڈٹ اردو کو ہی جاتا ہے اور اگر اس کی ترقی نہ ہوتی تو اس کے لیے بھی اردو ہی ذمہ دار ہوتی لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ اردو کو جتنی ترقی کرنا تھی اس نے کی نہیں بعض راستوں پر اس کی راہ میں رکاوٹیں آئیں اگر یہ محض ماتم اور صبر کرنے سے دور نہ ہوں گی۔ مایوسی اور بددلی کو دلوں سے نکال دیجئے اور اپنے کردار کے پیچھے ایک فوج پیش منظر لایئے۔

پروفیسر سرور نے جو حلقۂ ارباب ادب کو خطاب کر رہے تھے اردو سے متعلق دیگر مسائل کا بھی جائزہ لیا اور پرزور لہجہ میں کہا کہ اردو صرف مسلمانوں کی ہی زبان نہیں وہ مشترکہ تہذیب کے شاندار کارناموں کا ثمرہ ہے۔ اور یہ توفیق کی بات ہے کہ کون اس میں کتنا حصہ لیتا ہے۔

پروفیسر سرور نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا کہ جو نظام اپنے اندر چیزوں کو سمو لیتا ہے وہ اچھا ہوتا ہے اور جو چھوت چھات کرتا ہے وہ برباد ہو جاتا ہے ہر چیز جس میں ادبی اظہار ہے ادب ہے تبدیلیاں ہمارا مقدر ہیں لیکن تبدیلیوں کے باوجود تسلسل ہوتا ہے یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم بعض چیزوں کو آباؤ اجداد کی میراث سمجھ کر رکھتے ہیں لیکن ہماری زبان میں بڑی وسعت ہے اور اس کی ہر طریقے سے خدمت ہو سکتی ہے۔

انھوں نے مزید کہا کہ اردو تو تاج محل ہے اور اسے یاد رکھیے کہ تاج محل کی خوب صورتی کے لیے صرف نقش و نگار سر بفلک مینار ہی ضروری نہیں بلکہ بنیاد بھی اس کی جان ہے۔" (قومی آواز)

اردو کا مقام

اردو کو کچھ صوبوں میں دوسری سرکاری زبان تسلیم کرانے کے لیے پارلیمنٹ کے ایک سو چار ممبروں کی طرف سے وزیر اعظم کو جو میمورنڈم پیش کیا گیا ہے وہ اپنی نوعیت کا پہلا میمورنڈم نہیں ہے کچھ سال پہلے اسی قسم کی ایک عرضداشت ہزاروں دستخطوں کے ساتھ صدر جمہوریہ کی خدمت میں بھی پیش کی جا چکی ہے۔ جس میں یہ مانگ کی گئی تھی کہ ان صوبوں میں جہاں عوام کی ایک بڑی تعداد کی مادری زبان اردو ہے، خصوصاً اتر پردیش، وہاں اردو کو علاقائی زبان تسلیم کر لیا جائے۔ یہ مطالبہ انجمن ترقی اردو کی طرف سے پیش کیا گیا تھا لیکن اس کی تائید عوام کے ایک وسیع حلقے نے کی تھی اور تائید کرنے والے کسی خاص فرقے سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ اتر پردیش میں اس تحریک کو اس حد تک کامیابی ضرور ہوئی کہ حکومت نے یہ وعدہ کیا کہ ان تمام اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا جہاں ایک مخصوص تعداد اردو کی مانگ کرے نیز حکومت اتنی قانونی عدالتوں سے اردو میں مراسلت کرنے کی سہولت بھی دی جائے گی۔ بعد میں ایسی ہی کچھ رعایتیں دوسرے صوبوں میں بھی دی گئیں۔ جن میں راجستھان قابل ذکر ہے مگر اردو کو کہیں بھی علاقائی زبان کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا گیا حالانکہ دستور میں یہ زبان چودہ قومی زبانوں میں سے ایک ہے۔

یہ بڑی حیرت کی بات ہے کیوں کہ اردو کی ابتدا اور نشو و نما دہلی اور اتر پردیش میں ہوئی ہے۔ اور ہر اعتبار سے یہ اسی ملک کی زبان ہے۔ اردو بہت سے تعصبات کا نشانہ رہی ہے۔ یہ تعصبات تقسیم سے پہلے کے اس زمانے کی بحثوں کے نتیجے ہیں جب ہندی اور اردو کا مسئلہ ہندو اور مسلمانوں کا مسئلہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ تعصب اس احساس کا بھی نتیجہ ہے کہ انگریزوں کے عہد حکومت میں اردو کو ہندی کی قیمت پر بڑھاوا دیا گیا تھا۔ تقسیم کے بعد دہلی، یوپی اور دوسرے بہت سے اردو علاقوں کے مسلمان پاکستان چلے گئے لیکن یہ کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ اردو بھی ان کے ساتھ پاکستان چلی گئی۔

اردو مختلف تہذیبوں اور زبانوں کے میل جول کا نتیجہ ہے اور اس طرح ہندوستان کے سیکولرزم کی علامت ہے۔ ہمیں اس کا بالکل حق نہیں ہے کہ ہم اپنے اتنے بڑے قومی سرمائے کو اپنی بے اتفاقی کا نشانہ بنائیں۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ملک کی سرکاری زبان کے مسئلے کے ساتھ عوام اردو کے مسئلہ سے بھی دلچسپی لے رہے ہیں۔ جیسا کہ پارلیمنٹ کے ممبروں نے اپنے میمورنڈم میں اشارہ کیا ہے کہ گاندھی جی اس آسان ہندی کے معنی ہندوستانی کے حق میں تھے جو ناگری اور دیوناگری دونوں رسم الخطوں میں لکھی جائے اور پورے ملک کی زبان بن سکے۔ پارلیمنٹ کے ممبروں کے میمورنڈم کا مقصد ہندی کو اس کی موجودہ جگہ سے ہٹانا نہیں ہے۔ وہ تو صرف اتنا چاہتے ہیں کہ ہندی والے صوبوں میں اردو کو دوسری زبان مان لیا جائے۔ اس سے ملک میں ہندی کی مقبولیت میں بھی مدد ملے گی۔ کیونکہ اردو کا چلن ملک کے ان حصوں میں بھی ہے جہاں ابھی ہندی کی رسائی نہیں ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر آندھرا پردیش۔ پنجاب میں ہندی اور پنجابی دو زبانیں استعمال ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے وہاں کسی تیسری زبان کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی لیکن یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ پنجاب میں ہندی اور پنجابی کی جنگ اردو زبان ہی کے ذریعے لڑی گئی ہے۔

پارلیمنٹ کے ایک سو چار ممبروں کا یہ مناسب اور سلجھا ہوا مطالبہ آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

(اداریہ روزنامہ انڈین ایکسپریس (انگریزی)

بابت ۱۹ اپریل ۱۹۶۵ء)

انجمن کی نئی مطبوعات

مضامین رشید: مصنف: پروفیسر رشید احمد صدیقی

رشید صاحب کے مضامین کا یہ ایڈیشن مصنف کی نظر ثانی کے بعد چھاپا گیا ہے۔ اس ایڈیشن میں کئی نئے مضامین بھی شامل ہیں۔ یہ ایڈیشن وینڈائک سے بڑے اہتمام کے ساتھ چھپوایا گیا ہے۔ کتابت و طباعت و کاغذ عمدہ۔

سائز 18x22/8 صفحات ۲۸۰ قیمت ۶ روپے

کلام سودا: مرتب: ڈاکٹر خورشید الاسلام

یہ سودا کے بہترین اور نمایندہ کلام کا نادر انتخاب ہے جو مرتب نے بڑی محنت اور کاوش کے ساتھ کلیات سودا کے مختلف قلمی و مطبوعہ نسخوں سے موازنہ کر کے مرتب کیا ہے یہ کتاب وینڈائک سے چھپوائی گئی ہے۔ کتابت و طباعت و کاغذ عمدہ۔

سائز 18x22/8 صفحات ۳۰۸ قیمت ۶ روپے

نسلیات اور جنسی انتخاب: مولف: ڈاکٹر محشر عابدی

اردو میں اس موضوع پر یہ بالکل نئی کتاب ہے اس میں نسلیات کے ابتدائی اصولوں کو بہت آسان اور عام فہم زبان میں پیش کیا گیا ہے کتاب میں کئی تصاویر بھی شامل ہیں۔ کتابت و طباعت و کاغذ عمدہ۔

سائز 18x22/8 صفحات ۱۷۲ قیمت ۳ روپے

مراسلہ

اردو اور اس کا رسم خط

(مشہور ہندی افسانہ نگار امرت لال ناگر نے اردو کو اترپردیش میں سرکاری طور پر تسلیم کیے جانے کی مخالفت کی تھی۔ اس سلسلے میں ان کا ایک خط قومی آواز میں شایع ہوا ہے جو ہماری زبان کے پڑھنے والوں کی دلچسپی کے لیے شایع کیا جا رہا ہے۔ ہم بھی اس سلسلے میں آیندہ لکھیں گے۔ (ادارہ))

اردو اسلوب (شیلی) کے لیے میرے من میں بڑی عزت ہے۔ میں اس کے ادب کی انمول دولت کو کھونے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ ہماری کھڑی بولی کا فارسی رسم خط میں لکھا ہوا یہ ادب پورا کا پورا اچانک جادو کی چھڑی گھما کر دیوناگری رسم خط میں نہ لایا جا سکے گا۔ اس کے لیے وقت چاہیے۔ میں ہی نہیں ان بوڑھے اور ادھیڑ عمر والے لوگوں کے ساتھ بھی مجھے دلی ہمدردی ہے جنھیں بچپن میں فارسی رسم خط سکھایا گیا تھا اور جو اس کے غائب ہو جانے پر اب اس عمر میں اچانک ان پڑھ بن جائیں گے۔ یہ سب تسلیم کرتے ہوئے بھی میں اس نقطۂ نظر کو آج تک قبول نہیں کر پایا جو پچھلے دس بارہ برس سے اردو کو اس کا حق دلانے کے لیے اپنایا جا رہا ہے۔

۱۹۵۲ء کے پہلے عام چناؤ شروع ہونے کے کچھ دن پہلے نبل پروفیسر آل احمد سرور نے، جو ان دنوں لکھنؤ میں رہتے تھے، ایک دن اپنے یہاں کچھ لوگوں کو بلایا اور کہا کہ اردو کو اس کا حق دلانے کی بات اٹھائیے۔ میں اور یش پال جی دونوں اس گفتگو میں موجود تھے۔ میں نے یہ تجویز رکھی کہ آپ فارسی رسم خط پر زور دینے کے بجائے طالب علموں کی درسی کتابوں میں دونوں اسلوبوں (شیلیوں) کے سبق رکھے جانے کی بات اٹھائیں۔ اس سے ہماری قومی تہذیب کی صحیح اور تیز ترقی ہوگی۔ تب سے آج تک میری یہی رائے ہے کہ اس سماج کو جو آزاد بھارت میں دیر سویر سو فیصدی خواندہ ہو کر ہی رہے گا، اور ہماری اگلی پیڑھیوں کو رسم خط کے فرق کے ذریعے اس طرح نہ بانٹا جائے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی واحد مادری زبان کو دو زبانیں سمجھنے کے پرفریب جال میں پھنسے رہیں۔ یہ بہت ہی مہلک ہوگا۔

نئی دنیا میں سبھی پرانے دھرم اور ان کے فرقہ وارانہ نقطۂ نظر آج اپنی اپنی بنیادیں کھوتے چلے جا رہے ہیں۔ نئی سوشلسٹ روایات کے سامنے انھیں اپنے پرانے روپ میں جو ابھی رائج ہے کوئی جگہ نہیں مل سکے گی۔ اسلام اور اس کے ساتھ ساتھ آئی ہوئی عرب اور ایشیائی ملکوں کی تہذیبی وراثت کا صحت مند اور خوب صورت حصہ فارسی رسم خط سے کہیں اچھی طرح دیوناگری رسم خط میں محفوظ رہ کر ہمارے وسیع سماج کو ملے گا۔ اسی طرح متعدد تہذیبوں کے میل جول سے بنی ہوئی ہندی یا (وسیع شکل میں) ہندوستانی تہذیب کی خصوصیتیں بھی اس میں محفوظ رہیں گی۔ صرف ہندو مسلم مذہبی کٹھ ملے پن کو اس کے اندر داخل ہونے کا پاسپورٹ جو آج دو رسم خطوں کی دھاندلی میں اسے دھوم دھڑکے سے مل رہا ہے، تب نہ مل پائے گا۔ فارسی رسم خط کو مادری زبان کے نعرے کے ساتھ جوڑ کر اردو محاذ چلانے کی بات کو میں اسی لیے انتہائی رجعت پسندانہ اور سماج دشمن سمجھتا ہوں۔

مادری زبان کی مانگ کرنے والے اردو محاذ کے لوگ اگر اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہے تو اس کے نتیجے میں ہندو بھی سخت رجعت پسند ہو جائے گا۔ چین و پاکستان کے پیدا کیے ہوئے موجودہ سنکٹ میں جس طرح بائیں بازو والے کمیونسٹ کو وہ غدار مانتا ہے اسی طرح اردو علاحدگی پسندی کی آواز اٹھانے والوں کو بھی وہ غدار اور پانچویں کالم والا مانتا ہے۔ شک و شبہ سے بھری ہوئی سماجی رجعت پسندی عام طور پر بڑی ہی نقصان پہنچانے والی ہوتی ہے۔ اردو محاذ والے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے مہربانی کر کے آج کی صورت حال پر غور ضرور کر لیں۔

فارسی رسم خط میں لکھے ہوئے اردو ادب کی حفاظت کے لیے آج کے مسلمان بچوں کے واسطے مکتبوں میں فارسی رسم خط پڑھانے کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔ اس کی اہم کتابوں کو جلد سے جلد دیوناگری رسم خط میں لے آنے کے لیے ترقی پسند خیالوں کے سلجھے ہوئے ہندو مسلمانوں کا تعاون بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مگر دیوناگری ہندی کے وسیلے سے ایک بنتے ہوئے نئے اور صحت مند سماج کا مستقبل بگاڑنے والوں کو کسی بھی حالت میں بڑھاوا نہیں دیا جانا چاہیے۔

(امرت لال ناگر لکھنؤ)

(صفحہ ۴ سے آگے)

پچھلے مہینے اس انجمن کا عظیم الشان جلسہ شملے کے باصرہ فروز کوہسار پر منعقد ہوا۔ ہز ہائینس نواب صاحب بہاولپور اس کے صدر تھے پنجاب و بیرون پنجاب کے اکثر نامور سحر طراز ملکی و قومی رہنما کونسلوں کے ممبر اور مذہبی کارکن موجود تھے۔ مختلف طبقوں کے متضاد عقائد رکھنے والوں کا ایسا اجتماع تھا جیسا کبھی کسی سیاسی پلیٹ فارم پر بھی نظر نہیں آیا

شاعروں سے قطع نظر ایک طرف کونسل اور اسمبلی کے ممبر اپنی "صاحبیت" کے لباس میں ڈٹے ہوئے تھے دوسری طرف محترم (مولانا) محمد علی کا مرثیہ اپنے "مجازی ناقتا" میں۔ اور پنڈت کرشن کانت مالوی "شیشہ سنگ کی صدا" میں گونج رہے تھے۔ ایک طرف دہلی کے ستارۂ صوفی خواجہ حسن نظامی پر حال کی سی کیفیت طاری تھی۔ علامہ گی تا مہاتاں کے بیٹے مولوی ثناء اللہ امرتسری کو غنیمت سمجھا چاہیے جو ہوش کارکن طبقہ کی نمائندگی کے لیے صاحبزادہ آفتاب احمد خاں موجود تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

رسائل میں دلگداز لکھنؤ، نقاد آگرہ، ہمایوں لاہور، نگار (خیر آباد ضلع سیتاپور) علی گڑھ میگزین، ادیب دہلی، مخزن لاہور سے نقل کیے گئے ہیں جن کتابوں کے مضامین سے اقتباسات لیے گئے ہیں ان میں تذکرہ جلوۂ خضر (صفیر بلگرامی) سیپارۂ دل (خواجہ حسن نظامی) اور افادات مہدی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

اپنے ذی علم باپ (ڈاکٹر محمود شیرانی) کی طرح اختر شیرانی کے مزاج میں بھی ایک خاص تنوع موجود تھا لیکن انھوں نے اپنی فکر و فن کی منزل شعر کے بجائے نثر قرار دی۔ اور اس دنیا میں کچھ ایسا کھوئے کہ پھر کبھی ہوشیار نہ ہو سکے!

اختر کی نثر میں ایک خاص قسم کا وزن تھا اور کبھی کبھی وہ خالص علمی مسائل پر جب کبھی کچھ لکھتے تھے تو ان کی نگاہیں اپنے موضوع کے گرد و پیش ہی رہتی تھیں۔ "انتخاب" کے اسی شمارے میں ان کا ایک مختصر سا مضمون "فقہ اللغۃ" بھی شامل ہے جس میں انھوں نے چند الفاظ کا تحقیقی جائزہ لے کر یہ ثابت کیا ہے کہ ان کا مطالعہ کافی وسیع اور گہرا تھا۔ لفظ "دفتر" کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"جیسا کہ بعض لوگوں نے تصور کیا ہے لفظ "دفتر" عربی نہیں بلکہ فارسی ہے اور کلمہ دیپ سے مشتق ہے جس کے معنی قدیم فارسی میں لکھنے اور لکیر کھینچنے کے ہیں۔ یونان کے قدیم مورخین کی کتابوں میں یہ لفظ "دیپسترا" اور "دفترا" کی شکل میں ملتا ہے جیسا کہ کٹیسیاس مورخ یونانی جو ۴۱۵ قبل مسیح جنگ میں ایرانیوں کے ہاتھوں اسیر ہوگیا تھا اور فن طبابت جاننے کے سبب سے سترہ سال شہنشاہ ایران کے دربار میں طبابت میں مشغول رہا۔ اپنی کتاب تاریخ ایران میں جس کا بہت تھوڑا حصہ باقی بچا ہے لکھتا ہے کہ۔ ایرانی سالنامہ ہائے دولتی کو دفتر کہتے تھے اور مشہور یونانی مورخ ہیرو ڈوٹس بھی لکھتا ہے کہ یہ کلمہ مغربی ایشیا میں کتاب اور خط کے معنی میں مستعمل ہے۔

روشن لال تیر بنگالی کا مضمون مختصر ہونے کے باوجود دلچسپ ہے اس مضمون کا عنوان ہے "حدیث دیگراں"۔ تیر نے لکھا ہے۔

"عرصہ ہوا کہ ایک جرمن لڑکی نے چند سوالات کیے تھے جنھیں برلن کے ایک رسالے نے شائع کر دیا تھا ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ۔ تمہارے نزدیک اچھے لکھنے والے کون ہیں۔

اس کے جو جوابات موصول ہوئے ان میں سے چند یہ ہیں

(۱) جہانگیر خاں مسعود اسرائیل
(۲) سعدی و ابوالکلام آزاد
(۳) طالستائی
(۴) الگزینڈر ڈوماس
(۵) اناطول فرانس
(۶) حافظ و لٹر
(۷) خیام

"انتخاب" کا یہ ایک شمارہ مجھے دستیاب ہے۔ اس کے بعد یہ ماہنامہ کب تک جاری رہا؟ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے کچھ اور شمارے پنجاب کی کسی لائبریری میں محفوظ ہوں یا ٹونک وغیرہ میں۔!

یوم محمد قلی قطب شاہ

ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کی جانب سے محمد قلی قطب شاہ

معانی (۱۵۶۵ء تا ۱۶۱۱ء) کی یاد ۱۹۵۸ء سے ہر سال پابندی کے ساتھ منائی جارہی ہے اس سال بھی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵؍ فروری کو سہ روزہ "یوم محمد قلی قطب شاہ" کی صورت میں منعقد ہوئی۔

محمد قلی کی (۳۵۳) ویں برسی کے موقع پر سہ روزہ تقاریب کا آغاز ۱۳؍ فروری کو گورستان شاہی میں محمد قلی کے گنبد کے وسیع و عریض چبوترے پر دن کے ۲ بجے شروع ہوا ۴ بجے سہ پہر بیت بازی کے فائنل مقابلوں کا اعلان ہوا پروفیسر حکیم یوسف حسین خاں نے صدارت کی۔

ریاستی وزیر داخلہ نواب میر احمد علی خاں صاحب کی صدارت میں افتتاحی جلسہ کا آغاز نغمہ سوسائٹی کے فنکار عابد علی خان نے محمد قلی کی مناجات "(مرا شہر لوگاں) سے کیا

مناجات کے بعد ادارۂ ادبیات اردو کے معتمد عمومی ڈاکٹر مہندر راج سکسینہ کی خیر مقدمی تقریر امن راج سکسینہ صاحب نے پڑھی جو سہ روزہ تقاریب یوم محمد قلی کے معتمد ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ "یوم محمد قلی کی سالانہ تقریب ادارہ کے علمی و ادبی جد و جہد کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ ادارہ نے اپنے قیام ہی سے ٹھوس علمی و ادبی امور انجام دئے ہیں اور مفید کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ سال گذشتہ ادارہ نے پانچ معیاری کتابیں شایع کیں جو علمی، ادبی اور تاریخی موضوعات پر مشتمل ہیں۔

معتمد ادارہ کی رپورٹ کے بعد صدر ادارہ پروفیسر سید علی اکبر صاحب نے اس موقع پر وصول شدہ پیامات سنائے سروجنی کلکرنی نے محمد قلی کی غزل "سنو لوگ میری پریم کی کہانی" سنائی صدر جلسہ نواب میر احمد علی خاں نے مختصر مگر جامع تقریر کی میر اکبر علی خاں صاحب (ایم پی) نے تقریر کرتے ہوئے ادارہ کی علمی خدمات اور ڈاکٹر زور مرحوم کو خراج عقیدت ادا کیا اور یوم قلی کو ایک قومی تہوار کی حیثیت سے سرکاری تعاون کے ساتھ منائے جانے کی تجویز پیش کی۔

حیدرآباد اور سکندرآباد کے شہروں کی طرف سے ڈپٹی میئر سری دائی، وینکنا نے تلگو میں تقریر کرتے ہوئے محمد قلی قطب شاہ کے عہد کو زبردست خراج عقیدت ادا کیا۔

نغمہ کار عابد علی خاں نے محمد قلی کی غزل "ع ساقیا اثر شراب کہاں" سنائی اور پھر محترمہ بانو طاہرہ سعید نے محمد قلی کو منظوم خراج عقیدت ادا کیا۔ مسز بشیر جعفری نے سازوں کے ساتھ محمد قلی کی مشہور غزل "پیا باج پیالا پیا جائے نا" سنائی۔ آقائی فرخ شیرازی نے فارسی نظم میں محمد قلی کے شعری و تہذیبی خدمات کو خراج عقیدت ادا کیا اور پھر کیپٹن عباس عابدی نے محمد قلی کا مرثیہ ترنم سے سنایا۔ محمد قلی کے مزار پر اداروں کی طرف سے چادر گل چڑھائی گئی آتش بازی قوالی اور قلم شو کے بعد افتتاحی تقریب ۸½ بجے رات مسٹر امن راج سکسینہ کنوینر "یوم محمد قلی" کے شکریہ پر اختتام ہوا۔

اتوار ۱۴؍ فروری کو ساڑھے ۱۰ بجے صبح "ایوان اردو" میں ممتاز علم دوستوں کے اجتماع میں نواب عنایت جنگ بہادر نے "نمائش نوادر قطب شاہی" کا افتتاح فرمایا۔ مولوی خواجہ محمد احمد سابق ناظم آثار قدیمہ نے جو اس نمائش کے کنوینر ہیں، نواب صاحب سے افتتاح کی درخواست کی اور نمائش کے بارے میں بتایا کہ قطب شاہی آثار و ادب کی نایاب و نادر اشیاء کا ادارے کے اردو میوزیم میں قابل قدر ذخیرہ موجود ہے۔ افتتاح نمائش کے بعد ادبی اجلاس منعقد ہوا۔ پروفیسر سید علی اکبر صاحب نے اجلاس کی صدارت فرمائی۔ محمد عبد الوحید خاں ناظم آثار قدیمہ حکومت آندھرا پردیش نے "قطب شاہی دور کا طرز تعمیر" کے عنوان سے مقالہ پڑھا۔

"دکنی ادب میں تلگو کا عنصر" مولوی غلام رسول کا دقیع مقالہ تھا پروفیسر سید محمد نے "عہد محمد قلی کے تمدن" پر ایک جامع مقالہ پڑھا جناب میر حسن صاحب نے "محمد قلی کا کلام اور اس کے محرکات" جناب ضیاء الدین احمد شکیب نے "محمد قلی کی غزل" جناب احمد جلیس نے "تہذیب کا معمار محمد قلی" کے عنوانات سے مقالے پڑھے۔

محترمہ بانو طاہرہ سعید، وقار خلیل اور پرنس لقی علی خاں ثاقب نے منظوم خراج عقیدت ادا کیا پروفیسر سید علی اکبر نے صدارتی خطبہ پڑھتے ہوئے بتایا کہ "محمد قلی کا دور معاشی، سماجی اور ادبی ترقی کے اعتبار سے ایک زرین دور تھا اس نے طاقت سے نہیں بلکہ لوگوں کا دل موہ لیکر حکومت کی، اس کے عہد کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یک جہتی فطری اور ذہنی تھی۔"

جناب محمد اکبر الدین صدیقی کنوینر ادبی اجلاس کے شکریہ پر جلسہ برخواست ہوا۔ اسی رات ۹½ بجے جسٹس گوپال راؤ ایکبوٹے کی صدارت میں محفل شعر و سخن ایوان اردو کے "ڈی ٹوریم" میں منعقد ہوئی۔ ممتاز مقامی شعراء نے تازہ کلام سے مشاعرہ کو کامیاب بنایا۔

۱۵؍ فروری کو سہ روزہ یوم محمد قلی کی تقاریب ۶ بجے شام ایوان اردو میں منعقدہ تلگو اجلاس پر اختتام کو پہنچیں ڈاکٹر دیکنٹ اودھانی صدر شعبہ تلگو جامعہ عثمانیہ کی صدارت میں ڈاکٹر ماد ھوسریا، ڈاکٹر راما کوٹی شاستری نے تلگو تقاریر میں محمد قلی کے عہد، فکر، فن اور

اس کی لسانی و تہذیبی رواداری کو بھرپور خراج عقیدت ادا کیا۔ ڈاکٹر رام راجو کنوینر تلگو اجلاس نے شکریہ ادا کیا۔

(وقار خلیل)

اردو کے قدیم اخباروں کی نمائش

۳۰ اپریل ۱۹۹۵ء کو دن کے دس بجے دہلی پبلک لائبریری دہلی میں ایک ادبی و صحافتی حضرات کا اجتماع جناب گوپی ناتھ امن لکھنوی کی صدارت میں ہوا جس میں دہلی و بیرون دہلی کے ادیبوں اور صحافی حضرات نے شرکت کی۔ جناب قاضی عبدالودود صاحب جناب امیر حسن صاحب عابدی دہلی یونیورسٹی، جناب مالک رام صاحب ایم۔ اے۔ جناب منور لکھنوی صاحب۔ جناب رام منوہر لوہیا ممبر پارلیمنٹ۔ جناب لدھا رام صاحب ایڈیٹر سوراجیہ الہ آباد ۱۹۰۷ء۔ جناب جگن ناتھ آزاد صاحب کے نام قابل ذکر ہیں۔

مولانا امداد صابری صاحب نے جناب ایس۔ آر۔ نائر صاحب پرنسپل انفارمیشن آفیسر نیو دہلی، جناب آل احمد صاحب سرور جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند، جناب آغا محمد باقر صاحب نبیرہ مولانا محمد حسین آزاد، جناب ظفر قریشی صاحب ایڈیٹر ماہ نو کراچی، جناب شمیم جاوید صاحب ایڈیٹر فکر و خیال کراچی، جناب دیوان سنگھ صاحب مفتون ایڈیٹر ریاست دہرہ دون، جناب ملا واحدی صاحب ایڈیٹر نظام المشائخ کراچی، جناب اکبر الدین صاحب صدیقی ایڈیٹر سب رس حیدرآباد دکن، جناب اعجاز صدیقی صاحب ایڈیٹر شاعر بمبئی، جناب شاہ مقبول احمد صاحب پروفیسر مولانا آزاد کالج کلکتہ کے پیغامات سنائے۔

جناب مالک رام صاحب نے افتتاحی تقریر میں فرمایا اس اجلاس کے دوگونہ مقصد ہیں ایک تو یہ کہ اہل قلم حضرات اخبارات کی اہمیت کا اندازہ لگائیں ان میں بے پناہ علمی خزانہ ہے ان سے ہر موضوع پر مستند تاریخی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں، اس پر توجہ دینا انتہائی ضروری ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ مولانا امداد صابری صاحب نے اب تک تاریخ صحافت اردو کی تین جلدیں ۱۹۰۰ء تک کے اخبارات کی طبع کرائی ہیں۔ ابھی ان کو ۱۹۰۱ء سے ۱۹۴۷ء تک۔ اخبارات کی تین جلدیں اور مرتب کرنی ہیں اہل قلم اور صحافی حضرات کو چاہیے کہ وہ صابری صاحب کا اس سلسلہ میں ہاتھ بٹائیں اور معلومات فراہم کریں۔

جناب امن لکھنوی نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ قدیم و جدید اخبارات میں ادبی تاریخی سیاسی سماجی تعلیمی اور اصلاحی معلومات بے حد ہیں۔ صابری صاحب نے اس پر توجہ دلا کر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ انھوں نے جو قدیم اخبارات کی نمائش کی ہے اور تاریخ صحافت اردو کی تین جلدیں مرتب کی ہیں اس سے ان کی محنت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے کتنی جانفشانی کی ہوگی۔ امن صاحب نے یقین دلایا کہ میں تاریخ صحافت اردو کے مرتب کرنے میں ہر ممکن مدد دوں گا۔

جناب تنویر علوی صاحب نے ایک مقالہ پڑھا۔ امداد صابری صاحب نے "چند حریت پسند اخبار" کے زیر عنوان ایک تحقیقی مقالہ پڑھا۔ جلسہ گاہ کے باہر اردو کے سوا سو کے قریب قدیم اخبار ۱۸۲۲ء سے لے کر ۱۹۰۰ء تک کی نمائش ہوئی جس کا اہتمام مولانا امداد صابری صاحب نے کیا تھا جن کے پاس یہ بیش بہا خزانہ ہے۔

(پنڈت ہر سروپ شرما۔ ایڈیٹر متحدہ محاذ دہلی)

محبانِ اردو کے وفد کی مدیران و مالکانِ اخبارات سے ملاقات

چنڈی گڑھ ۔ اپریل ۱۹۹۵ء پروفیسر کرپال سنگھ بیدار کی قیادت میں پنجاب کے اردو دوستوں کا ایک وفد جالندھر اور لدھیانہ کے اردو اخبار نویسوں کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ان سے اپیل کی کہ وہ اردو کی بقاء و تحفظ کے لیے راہنمائی کریں اور ایسی فضا پیدا کرنے میں نہ صرف تعاون دیں جس سے اردو زبان کو اس کا جائز حق حاصل ہو سکے بلکہ اس تحریک کی قیادت فرمائیں۔ وفد کی اپیل کا خاطر خواہ اثر ہوا، اور جملہ صحافیوں نے پرزور اور موثر تعاون کا یقین دلایا۔

وفد نے جالندھر میں روزنامہ ہائے "ملاپ" "پرتاپ" "پردیپ" "پربھات" اور "ہند سماچار" کے دفاتر میں حاضر ہو کر مدیران اعلیٰ اور ادارتی عملہ کے اراکین سے مفصل گفتگو کی اور وضاحت کے ساتھ اپنی گزارشات ان کے گوش گزار کیں۔ ہر جگہ وفد کی گزارشات کو توجہ سے سنا گیا۔ اور سب نے پرخلوص تعاون کا یقین دلایا۔ وفد نے بعض مالکان اخبارات یعنی شری [illegible] آف "ملاپ" شری رمیش آف "ہند سماچار" شری ویریندر آف "پرتاپ" سے بھی تبادلہ خیالات کیا۔ ان حضرات سے وفد کی ملاقاتیں بہت حوصلہ افزا رہیں۔

وفد کی اپیل پر جملہ اخبارات اپنے قیمتی صفحات میں ایک ایسا کالم قائم کرنے پر رضامند ہوئے جس میں اردو کی ترویج و ترقی اور بقاء و تحفظ کی تجاویز شائع ہوا کریں گی۔

اس وفد نے لدھیانہ کے صحافیوں سے مل کر ان کے سامنے بھی اپنی تجاویز رکھیں اور ان سے تعاون کی اپیل کی۔ لدھیانہ کے تمام صحافیوں نے وفد کو تحفظ و بقائے اردو کے لیے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

صحافیوں کے حسن سلوک نے اراکین وفد کو بے حد متاثر کیا۔ اور انھیں مدیران و مالکان اخبارات کے پرخلوص تعاون سے نیا حوصلہ ملا ہے۔

(سورج تنویر سکریٹری وفد ہذا)

اردو کے حق میں کرپال سنگھ بیدار کی ایک اہم تقریر

مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۶۵ء کو پنجاب سرکار کی طرف سے سالانہ ادبی جشن منایا گیا۔ جس میں صوبہ پنجاب کے تینوں زبانوں پنجابی، ہندی اور اردو کے تین برگزیدہ ادیبوں کو اعزازات پیش کئے گئے۔ اردو میں جناب کرپال سنگھ بیدار سرپرست انجمن ترقی اردو ہند شاخ پٹیالہ کو خلعتِ فاخرہ اور کیسۂ زر دہ مبلغ گیارہ سو روپے اور سپاس نامہ سے نوازا گیا۔ سپاس نامہ میں سرکار نے بیدار صاحب کے گوناگوں اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے آپ کو شاعرِ اعظم قرار دیا۔ سپاس نامہ کے جواب میں رہنمائے اردو ادب پٹیالہ جناب کرپال سنگھ بیدار نے اردو کے حق میں ایک معرکۃ الآرا تقریر کی جو درج ذیل ہے۔

محترم صاحب صدر اور دیگر حاضرین مجلس!

میرے کرم فرما مجھ سے اشعار سننے کے آرزومند ہوں گے لیکن میں اردو کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ابتدا میں ہمارے صوبے کے وزیر تعلیم جناب پربودھ چندر نے تقریر کی جس میں انھوں نے ہندی اور پنجابی کو ترقی دینے کے لیے بہت کچھ فرمایا۔ میں چراغ لے کر ڈھونڈھتا رہا کہ اردو کے متعلق بھی ان کی تقریر میں کوئی فقرہ مل سکے لیکن مجھے مایوسی ہوئی اس کے باوجود بھی مجھے کوئی شکوہ نہیں کیوں کہ انھوں نے جو تقریر کی وہ نہ ہندی میں تھی اور نہ پنجابی میں بلکہ خالص اردو میں تھی۔

یہ مسرت کا مقام ہے کہ ہماری صوبائی سرکار جہاں ہر سال ہندی اور پنجابی کے ادیبوں کو نوازتی ہے وہاں اردو کے ادیبوں کو نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ ان کی طرف بھی نگاہِ کرم ہو جاتی ہے اگر حکومت کی یہ نوازش اسی خلوص قلب اور جذبۂ شوق کے ساتھ ہے جس سے ہندی اور پنجابی کے ادیبوں کو نوازا جاتا ہے تو ہم اردو والے حکومت کے بے حد ممنون اور شکر گزار ہیں۔

مجھے ہندی اور پنجابی سے قطعاً کوئی ضد نہیں۔ میں ان دونوں زبانوں کا خیر خواہ ہوں۔ ہندی ہماری ملکی زبان ہے۔ ملکی زبان ہونے کی حیثیت میں اس کا احترام ہم پر فرض ہے۔ پنجابی ہماری صوبائی زبان ہے میں پنجابی نژاد ہوں۔ میری مادری زبان پنجابی ہے۔ پنجابی سے مجھے وہی لگاؤ ہے جو کسی آدمی کو اپنی مادری زبان سے ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی عرض کروں گا کہ اردو سے مجھے والہانہ عشق ہے۔ میں اس زبان کا دیوانہ ہوں۔ اردو زبان اگر شمع ہے تو میں اس کا پروانہ ہوں۔ پنجاب سرکار جو آج مجھے کیسۂ زر پیش کر رہی ہے صرف یہی نہیں بلکہ میرے جسم و جاں بھی اردو کے لیے حاضر ہیں۔

اردو کا میں اس درجہ پرستار کیوں ہوں؟ اس کے دو باعث ہیں ایک تو یہ کہ اردو سے مجھے قدرتی طور سے لگاؤ ہے دوسرے یہ کہ اردو میں مجھے جو بات نظر آئی وہ میں نے ہندی اور پنجابی میں نہیں پائی اردو زبان میں جو لطافت و نزاکت، شیرینی و رنگینی، رعنائی و زیبائی، بو باس اور مٹھاس ہے وہ ابھی تک اسی کا حصہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اردو کو ہر قیمت پر زندہ و سلامت رکھا جائے ہندی اور پنجابی کا بھی اسی میں بھلا ہے کہ اردو زندہ رہے۔ اردو کو زندہ رکھ کر ہندی اور پنجابی کی جو خدمت ہو سکتی ہے وہ اردو کو ختم کرنے کی صورت میں قطعاً ممکن نہیں ہوگی۔ اردو میں جاذبیت اور رنگارنگی کس طرح آئی یہ اس طرح آئی کہ اردو زبان نے دوسری زبانوں کے تمام خوب صورت عناصر کو اپنے اندر جذب کر لیا دوسری زبانوں کی دلکشیوں اور رعنائیوں کو اپنا لیا۔ اگر ہندی اور پنجابی نے بھی نکھرنا ہے، زیادہ خوب صورت بننا ہے تو انھیں اردو کے حسن و جمال کو اپنے اندر جذب کرنا ہوگا۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اردو سیکھی جائے اردو پڑھی جائے نہ کہ اس سے روگردانی کی جائے۔

اردو کو زندہ رکھنے کی ایک اور طرح بھی ضرورت ہے جو نہایت اہم ہے۔ ہماری سرکار قومی ہم آہنگی اور یک جہتی پر بہت زور دے رہی ہے۔ میں کہوں گا کہ اس سلسلے میں بھی جس قدر اردو زبان مفید اور کارآمد ثابت ہو سکتی ہے اتنی کوئی اور زبان ہرگز کارآمد ثابت نہیں ہوگی۔ اردو زبان کا کوئی روزنامہ اٹھا لیجیے اس کے کسی صفحہ پر نگاہ ڈالیے۔ وہاں آپ کو ہندی، پنجابی، فارسی، انگریزی اور ہندوستان کی مختلف بولیوں کے بے شمار الفاظ ملیں گے، گویا اس ایک صفحہ میں کئی زبانوں کے خوب صورت الفاظ یکجا ہو گئے ہیں۔ جنھوں نے متحد و متفق ہو کر اردو کا نام پایا ہے۔ یہ الفاظ و دیگر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ محفلِ اردو میں مختلف زبانیں بولنے والے اکٹھے ہو گئے ہیں اور یہی قومی یک جہتی ہے۔

اردو کے گلزار کو پامال و برباد کرنے میں یار لوگوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن حیرت ہے کہ یہ پامال و برباد گلزار اب بھی اُن چمن زاروں کی نسبت بدرجہا زیادہ خوب صورت اور خوش منظر ہے جن کی آبیاری اور نگہداشت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا جاتا حکومت سے میری مؤدبانہ التجا ہے کہ وہ بے شک ہندی اور پنجابی کے باغات کی آبیاری کرے، خوب کرے انھیں اس قدر پانی دے کہ وہ ڈوب جائیں لیکن خدا کے لیے اردو کے باغ کو جائز آبیاری سے محروم نہ رکھے۔"

(جوش پٹیالوی؟)

اردو کو دلّی کی علاقائی دوسری سرکاری زبان بنایا جائے

اردو کنونشن میں تقاریر۔

دلّی ۷ مئی :۔ آج یہاں آل پارٹیز اردو علاقائی دُسانوی سرکاری زبان کمیٹی دلّی کا دو روزہ اردو کنونشن رام لیلا گراؤنڈ کے ایک شاندار پنڈال میں شروع ہوا۔ پروگرام کے مطابق اردو اخبارات رسائل وکتب کی نمائش، ڈیلی گیٹ سیشن اور سبجیکٹس کمیٹی کی نشست کے بعد ۵ بجے شام کھلا اجلاس ہوا ۱۰ بجے شب میں مشاعرہ ہوا جس میں صرف مقامی شعراء نے شرکت کی۔

کھلے اجلاس میں اردو کو دلّی کی علاقائی اور دوسری سرکاری زبان بنانے کے مطالبہ پر ایک قرارداد منظور کی گئی، اس کے علاوہ ایک قرارداد پاکستان کی جارحیت کے بارے میں منظور کی گئی اور مسز ارونا آصف علی کی تجویز پر شری نہرو کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

کھلے اجلاس کا افتتاح آنند نرائن ملا نے کیا اپنے مخصوص انداز میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ جذبات میں نہیں بہنا چاہئے اور عقل سے کام لینا چاہیے۔ جذبات سے کام لیا جائے گا تو جو بڑا گروہ ہوگا وہ کامیاب ہو جائے گا۔ اردو کے مسئلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اردو کا مسئلہ سیکولر ڈیموکریسی کا بنیادی مسئلہ ہے۔

اردو کو مٹانا تہذیب و کلچر کو مٹانا ہے آپ نے مشورہ دیا کہ اردو کے مخالفین کو ہم خیال بنانے اور ان کے دل کو جیتنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے متنبہ کیا کہ اردو کو حق نہ دینا قومی یک جہتی کو نقصان پہونچاتا ہے۔

مجلس استقبالیہ کے صدر جناب جمنا داس اختر نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا، اس کے بعد جناب مشتاق احمد صاحب نے شباب . . کا صدارتی ایڈریس پڑھ کر سنایا، مجلس صدارت میں دلی کی تمام سیاسی و ادبی جماعتوں کے نمائندے شامل ہیں۔ اردو کو علاقائی زبان بنانے سے متعلق قرارداد مسٹر گلزار دہلوی نے پیش کی، قرارداد کی تائید میں متعدد اصحاب نے تقریریں کیں، چودھری برہم پرکاش ایم پی نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ اردو کو ایک کونے میں جھٹلایا جا رہا ہے۔

عبداللّٰہ، اسکولوں اور یونیورسٹی میں ہر جگہ اردو ہونی چاہیے۔ انھوں نے ہندی والوں سے کہا کہ وہ فراخدلی سے کام لیں۔

دلّی اردو کا وطن ہے لیکن یہاں اس کو کچلا جا رہا ہے آپ نے کہا کہ دلّی میں اردو کو اس کا حق دیا جانا چاہیئے۔

سوشلسٹ لیڈر مسٹر برج موہن طوفان نے کہا کہ سیاسی اختلاف کے باوجود مختلف سیاسی پارٹیاں اردو کی حفاظت کے لیے جمع ہو گئی ہیں کیونکہ اب حق اور ناحق کا سوال پیدا ہو گیا ہے، آپ نے قرارداد کی تائید کی مسٹر آر سی اگروال نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہندی کے بعد اردو زبان ہونی چاہیئے انھوں نے یقین دلایا، اردو والے جو تحریک یا ایجی ٹیشن چلائیں گے ہیں اس میں ان کا ساتھ دوں گا۔

برج موہن طوفان کے بعد مقیم الدین فاروقی، علی سردار جعفری، سجاد ظہیر، برج موہن (کانگریسی لیڈر) وغیرہ نے مدلل اور بصیرت افروز تقریریں کیں۔ تقاریر کے بعد اردو کو دلّی کی علاقائی و دوسری سرکاری زبان بنانے کی قرارداد کو اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔

(الجمعیۃ)

ریاستی انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش کے قائم مقام صدر و سکریٹری

بھوپال (ڈاک سے) مدھیہ پردیش ریاستی، انجمن ترقی اردو کے صدر حضرت کوثر چاندپوری، ہمدرد کلینک دہلی میں چیف فزیشن مقرر ہو گئے ہیں۔ اس لیے آپ نے اپنی بھوپال میں عدم موجودگی اور نئے انتخاب تک ریاستی انجمن کے سینئر نائب صدر مسٹر شرقی عثمانی کو قائم مقام صدر مقرر کیا ہے انجمن کے جنرل سکریٹری مسٹر ایم عرفان کا استعفیٰ منظور ہو جانے کی وجہ سے قائم مقام صدر مسٹر شرقی عثمانی نے بھوپال کے روزنامہ افکار کے ایڈیٹر مسٹر اشتیاق عارف کو جنرل سکریٹری مقرر کیا ہے۔

(شرقی عثمانی)

۱۱ ۔۔ انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر نذیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپایا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا